تفہیم القرآن کی چند گمراہ کُن عبارات (حصہ اول)

مع

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ پر ایک الزام کی حقیقت

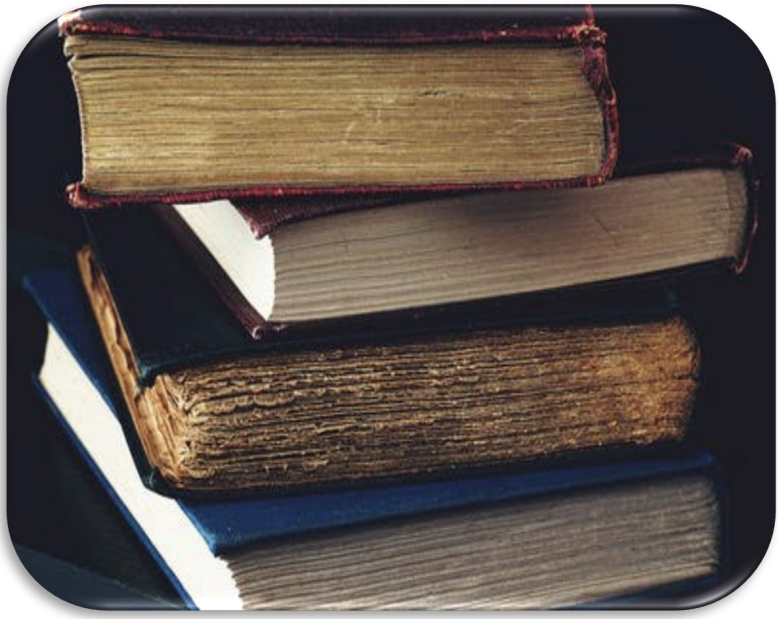

✍....مولانا محمد کلیم اللہ حنفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت اسلامی کے محمد وقاص خان کا ایک ویڈیو کلپ نظر سے گزرا، جس میں انہوں نے عالم اسلام کی عظیم دینی شخصیت متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ کے مودودی صاحب اور ان کی تفہیم القرآن کے بارے ذکر کیے گئے حقائق کو جھٹلانے کی کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے مودودی صاحب کو عصمتِ انبیاء کرام علیہم السلام کا محافظ قرار دیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے معیارِ حق ہونے کی (اپنی تشریح کے مطابق) بات بھی کی ہے۔

ان شاء اللہ مذکورہ موضوعات پر انصاف پسند قارئین کے سامنے مستقل اپنی تحقیقات پیش کریں گے۔

اسی طرح فردوس بڈگامی صاحب کی ایک تحریر نظر سے گزری جس کا عنوان تھا کہ "استاد سید مودودی پر مولانا الیاس گھمن کا جھوٹ" اس کے تحت وہ لکھتے ہیں: مولانا الیاس گھمن نے امام العصر، موجودہ عالمی تحریک اسلامی کے امام میرے روحانی استاد سید مودودیؒ پر ایک اور جھوٹ یہ بھی باندھا کہ: (مودودی فرماتے ہیں)

{الرحیم "کا کوئی معنی نہیں ہیں، الرحمٰن میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے الرحیم لائے ہیں}

فردوس بڈگامی صاحب کا تبصرہ:

یہ سراسر الیاس گھمن کی یا بد دیانتی ہے یا ناسمجھی ہے یا جھوٹا الزام۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ جو دور جدید کے ایک مایہ ناز محقق ہیں، کی تحقیق کے مطابق اس وقت پوری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی تفسیر " تفہیم

القرآن" از استاد مودودی رحمہ اللہ ہے اور دوسرے نمبر پر تفسیر معارف القرآن از مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ۔ عجیب بات یہ ہے کہ جو تفسیر دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے اور آج تک لاکھوں انسانوں کے پاس زیر مطالعہ رہی، انہی انسانوں میں کسی انسان نے آج تک استاد مودودی پر سورۃ الفاتحہ کے حوالے سے یہ اعتراض نہیں کیا جو مولانا الیاس گھمن نے کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ الیاس گھمن کے دل و دماغ پر تفہیم القرآن کو پڑھنے میں یا تو نافہمی کے تالے لگے ہوئے ہیں یا ابو جہل کی طرح حق سمجھ آنے کے بعد بھی بغض، حسد ضد اور ہٹ دھرمی اسے حق کو قبول کرنے سے روکتا ہے اور جھوٹ بولنے اور الزام لگانے پر مجبور کرتا ہے۔

انصاف پسند قارئین سے گزارش:

انصاف پسند قارئین کرام سے گزارش ہے کہ بڈگامی صاحب کے تعصب کا اندازہ لگائیں کہ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ کی تفہیم القرآن کی گمراہ کن عبارات پر عالمانہ گرفت کو انہوں نے دل و دماغ پر نافہمی کے تالے لگنے سے تعبیر کیا، ابو جہل کے ساتھ تشبیہ دینے کی کوشش کی اور بغض، حسد، ضد، ہٹ دھرمی، جھوٹ اور الزام تراشی کے طعنے دیے۔ یہ کیسی اخلاقی تربیت ہے؟ اس کا فیصلہ انصاف پسند قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

دونوں کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن نے مودودی صاحب کی بات نقل کرنے میں بددیانتی سے کام لیا ہے یا پھر وہ اس بات کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکے اور انہوں نے جھوٹا الزام لگایا ہے۔

پہلے تفہیم القرآن کے متعلقہ صفحے کا عکس ملاحظہ فرمائیں:

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

روزِ جزا کا مالک ہے۔

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

ہے۔ کسی انسان، کسی فرشتے، کسی دیوتا، کسی سیارے، غرض کسی مخلوق کا کمال بھی ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ کا عطیہ ہے۔ پس اگر کوئی اس کا مستحق ہے کہ ہم اس کے گرویدہ اور پرستار، احسان مند اور شکر گذار، نیاز مند اور خدمت گار بنیں تو وہ خالقِ کمال ہے نہ کہ صاحبِ کمال۔

۳ رب کا لفظ عربی زبان میں تین معنوں میں بولا جاتا ہے۔ (۱) مالک اور آقا۔ (۲) مربی، پرورش کرنے والا، خبر گیری اور نگہبانی کرنے والا۔ (۳) فرمانروا، حاکم، مدبر اور منتظم۔ اللہ تعالیٰ ان سب معنوں میں کائنات کا رب ہے۔

۴ انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے تو وہ مبالغہ کے صیغوں میں اس کو بیان کرتا ہے، اور اگر ایک مبالغہ کا لفظ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اُس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا، تو پھر وہ اسی معنی کا ایک اور لفظ بولتا ہے تاکہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اس کے نزدیک مبالغہ میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں رحمٰن کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔ رحمان عربی زبان میں بڑے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے، اس قدر وسیع ہے، ایسی بے حد و حساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لیے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لیے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں "سخی" کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر "داتا" کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب "گورے" کو کافی نہیں پاتے تو اس پر "چٹے" کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازیِ قد کے ذکر میں جب "لمبا" کہنے سے تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد "تڑنگا" بھی کہتے ہیں۔

۵ یعنی اُس دن کا مالک جبکہ تمام اگلی پچھلی نسلوں کو جمع کر کے ان کے کارنامۂ زندگی کا حساب لیا جائیگا اور ہر انسان کو اس کے عمل کا پورا صلہ یا بدلہ مل جائے گا۔ اللہ کی تعریف میں رحمان اور رحیم کہنے کے بعد مالک روزِ جزا کہنے سے یہ بات نکلتی ہے کہ وہ نرا مہربان ہی نہیں ہے بلکہ منصف بھی ہے، اور منصف بھی ایسا با اختیار منصف کہ آخری فیصلے کے روز وہی پورے اقتدار کا مالک ہوگا، نہ اس کی سزا میں کوئی مزاحم ہو سکے گا اور نہ جزا میں مانع۔ لہٰذا ہم اس کی ربوبیت اور رحمت کی بنا پر اس سے محبت ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے انصاف کی بنا پر اس سے ڈرتے بھی ہیں اور یہ احساس بھی رکھتے ہیں کہ ہمارے انجام کی بھلائی اور برائی بالکلیہ اُسی کے اختیار میں ہے۔

۶ عبادت کا لفظ بھی عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) پوجا اور پرستش۔ (۲) اطاعت اور

دعوت فکر:

اسے پڑھیے ،بار بار پڑھیے اور انصاف سے فیصلہ فرمایئے کہ کیا متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن نے بات نقل کرنے میں بد دیانتی سے کام لیا ہے؟ یا ان لوگوں نے اس مفہوم کو صحیح طور پر بیان کرنے میں بد دیانتی اور خیانت سے کام لیا ہے؟

مبالغے کا صیغہ کون سا ہوتا ہے؟

سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں مودودی صاحب کا رحمٰن کے لفظ کو مبالغے کا صیغہ قرار دینا اور پھر اس کے بارے یہ کہنا کہ "اُس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا۔" انتہائی قابل غور ہے۔ کیونکہ جب کہنے والا "رحمٰن" کو مبالغے کا صیغہ ہی مان رہا ہے تو اس کا یہ سمجھنا ہی درست نہیں کہ "شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا۔" اس لیے کہ مبالغے کا صیغہ ہوتا ہی وہی ہے جس سے فراوانی کا حق ادا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد دوسرے لفظ کو اس میں "کمی کو پورا" کرنے کے لیے نہیں لایا جاتا۔

مودودی صاحب کی مثالیں درست نہیں:

مزید یہ کہ اس پر جو مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ بھی مطابقت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ سخی، گورا اور لمبا تینوں الفاظ مبالغے کے نہیں ہیں اس لیے کمی کو پورا کرنے کے لیے دوسرے الفاظ (داتا، چٹا اور تڑنگا) لائے گئے ہیں۔ جبکہ لفظ رحمٰن مستقلاً مبالغہ کا صیغہ ہے جسے مودودی صاحب نے بھی مانا ہے۔ بالکل اسی

طرح لفظ رحیم بھی مستقلاً مبالغے کا صیغہ ہے جس میں مودودی صاحب کو تردد ہے کہ رحمٰن کی کمی کو پورا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

سخی / سخی داتا میں فرق:

ایک بندہ کسی کو محض "سخی" کہے اور دوسرا بندہ "سخی داتا" کہے دونوں میں فرق ہے۔ پہلا بندہ بغیر مبالغے کے کہہ رہا ہے جبکہ دوسرے نے مبالغے کے لیے ساتھ میں "داتا" کہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ صرف سخی کہنے میں مبالغہ نہیں۔ اگر مبالغہ ہوتا تو داتا کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

رحمٰن اور رحیم مستقل الگ الگ مبالغے کے صیغے ہیں:

جبکہ لفظ رحمٰن کا معاملہ ایسا نہیں۔ کیونکہ لفظ رحمٰن میں مستقل مبالغہ پایا جارہا ہے جو رحیم کو ذکر کیے بغیر بھی صحیح طور پر سمجھ آرہا ہے۔ اور خود قرآن کریم نے اس لفظ کو رحیم کے بغیر ذکر کیا ہے۔ سورۃ الرحمٰن کا آغاز ہی اسی لفظ سے ہو رہا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لفظ رحمٰن کا مبالغہ سمجھنے میں لفظ رحیم کی احتیاجی نہیں۔

لفظ تڑنگا کے اور لفظ رحیم کے استعمال میں فرق:

اسی طرح آخری لفظ "تڑنگا" تو بغیر موصوف کے اردو میں استعمال ہی نہیں ہوتا بلکہ "لم تڑنگا" یا "لمبا تڑنگا" استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ رحمٰن اور رحیم کا معاملہ ایسا نہیں۔ رحمٰن بغیر رحیم کے بھی استعمال ہوتا ہے اور رحیم بغیر رحمان کے بھی

استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ دونوں مستقلاً الگ الگ مبالغے کے صیغے ہیں۔ ایک کے معنی کی کمی کو دور کرنے کے لیے دوسرا کو نہیں لایا جاتا۔

حقیقت یا مبالغہ آمیزی؟

باقی مودودی صاحب اور ان کی تفہیم القرآن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا اور اسے دورِ حاضر کی سب سے مقبول تفسیر قرار دینے کی باتیں سوائے غلط فہمی یا خوش فہمی کے کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ ذیل میں آپ کے سامنے مودودی صاحب کی تفہیم القرآن کی صرف وہ عبارات پیش کرنے لگا ہوں کہ جن میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے انتہائی نامناسب باتیں درج ہیں۔ جن کی وجہ سے لوگوں میں گمراہی پھیلی ہے۔

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے مودودی صاحب کا نظریہ:

1: "علاوہ برین اگر موقع و محل اور سیاق وسباق کی مناسبت کو دیکھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی پوزیشن صاف کرنے کے لئے یہ قصہ نہیں بیان کر رہا۔ بلکہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ بشری کمزوری کیا تھی جس کا صدور ان سے ہوا۔ اور جس کی بدولت صرف وہی نہیں بلکہ ان کی اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی پیشگی تنبیہات کے باوجود ایسے دشمن کے پھندے میں پھنسی اور پھنستی رہی ہے۔"

(تفہیم القرآن ج3 ص130)

مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ سورۃ طٰہٰ کی آیت مبارکہ وَ لَقَدۡ عَهِدۡنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ فَنَسِىَ وَ لَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا ﴿۱۱۵﴾ (اور ہم نے اس سے پہلے آدم (علیہ السلام) کو ایک بات کی تاکید کی تھی، پھر ان سے بھول ہو گئی، اور ہم نے ان میں عزم نہیں پایا۔) میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے یہ قصہ نہیں بیان کر رہا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ نسیان کے بعد یہ کہنا کہ ہم نے ان میں عزم نہیں پایا۔ یہ پوزیشن صاف کرنے کے لیے نہیں تو اور کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر جو پھل کھا لیا تھا اس سے بعض لوگ جو (العیاذ باللہ) انبیاء کرام علیہم السلام کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے جیسا کہ مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگ ہیں تو وہ اس بات کو حضرت آدم علیہ السلام کا جرم اور گناہ قرار دیتے۔ اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کی پوزیشن واضح فرمائی کہ ان سے اس معاملے میں بھول ہوئی ہے۔ اور بھول جانا جرم اور گناہ نہیں ہے۔

2: ”مگر اس عہدے پر مستقل تقرر ہونے سے پہلے امتحان لینا ضروری سمجھا گیا تاکہ امیدوار کی صلاحیتوں کا حال کھل جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کی کمزوریاں کیا ہیں اور خوبیاں کیا ہیں؟ چنانچہ امتحان لیا گیا اور جو بات کھلی وہ یہ تھی کہ یہ امیدوار تحریص واِطماع کے اثر میں آخر پھسل جاتا ہے۔ اطاعت کے عزم پر مضبوطی سے قائم نہیں رہتا۔ اور اس کے علم پر نسیان غالب آ جاتا ہے۔ اس امتحان کے بعد آدم اور ان کی اولاد کو مستقل خلافت پر مامور کرنے کی بجائے آزمائشی خلافت دی گئی اور آزمائش کے لئے ایک مدت (اجل جس کا اختتام

قیامت پر ہو گا) مقرر کر دی گئی۔ اس آزمائش کے دور میں اُمیدواروں کے لئے معیشت کا سرکاری انتظام ختم کر دیا گیا۔ اب اپنی معاش کا انتظام انہیں خود کرنا ہے۔ البتہ زمین اور اس کی مخلوقات پر ان کے اختیارات برقرار ہیں۔

(تفہیم القرآن ج3 ص134)

مودودی صاحب کا حضرت آدم علیہ السلام کے بارے امیدوار کا لفظ استعمال کرنا سراسر غلط اور دین سے دوری کا نتیجہ ہے کیونکہ خلافتِ الٰہیہ اور نبوت کا عظیم منصب آج کل کے سیاسی منصب جیسا نہیں کہ جس کے حصول کے کئی امیدوار ہوں۔ بلکہ نبوت ایک وہبی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ اس کے لیے منتخب فرما لیتے ہیں محض اسی کو عطا فرماتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس امر کو خود دوٹوک الفاظ میں واضح کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خود اللہ تعالیٰ نے خلافتِ الٰہیہ کے لیے تخلیق فرمایا۔ ان کی تخلیق سے پہلے اللہ رب العزت نے ملائکہ سے فرمایا: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ۔(اور جس وقت آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔) معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد خلیفہ تھے۔ امیدوار خلافت نہیں تھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو دی جانے والی خلافت مستقل خلافت ہے اور یہی اصلی خلافت ہے اس کو مستقل کے بجائے آزمائشی کہنا سراسر نادانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت آدم علیہ السلام میں خلافت کی استعداد رکھی تھی اسے امتحان کے بعد مستقل کے بجائے آزمائشی میں بدل دینے کا نظریہ

جہالت پر مبنی ہے۔

جماعت کے قائدین سے گزارش:

جماعت اسلامی کے قائدین سے بصد احترام سے گزارش ہے کہ اپنے کارکنان کو تعصب سے بالاتر اعتدال کی تعلیم دیں۔ صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط ماننے اور کہنے کا سبق دیں۔ حقائق کو تسلیم کرنے اور غلط نظریات سے رجوع کرنے کی ترغیب دیں۔

...جاری ہے